31

جماعت احمدیہ اپنے آپ کو اِس قابل بنائے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تخت نشینی کے وقت ان کو ٹرمپیٹر 1 (Trumpeter) مقرر کرے

(فرمودہ 21 ستمبر 1945ء بمقام بیت الفضل ڈلہوزی)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"آج مجھے ایک سکھ نوجوان جو خالصہ کالج میں بی۔ اے میں پڑھتے ہیں ملنے کے لئے آئے۔ چونکہ فلاسفی کے طالب علم ہیں انہوں نے فلسفی دماغ ہونے کی وجہ سے سب سے پہلا سوال یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت کیا ہے؟ میں نے انہیں جواب دیا کہ علاوہ اُن دلائل کے جو عقلی طور پر اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت ہیں ہمارا اپنا ذاتی مشاہدہ اور تجربہ بھی اس بات کا گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو ایک بات بتاتا ہے اور وہ عین وقت پر اُسی رنگ میں پوری ہو جاتی ہے جس رنگ میں اللہ تعالیٰ قبل از وقت خبر دے چکا ہوتا ہے۔

پھر میں نے اس طالب علم سے سائیکالوجی (Psychology) کے نظریہ کے متعلق کہا اگر علم النفس والوں کے نزدیک یہ خیالات اپنے نفس کے ہوتے ہیں اور خوابیں وغیرہ خیالات کے ماتحت طبعی طور پر آتی ہیں تو وہ خوابیں طبعی خیالات کے تابع ہونی چاہئیں نہ یہ کہ

ان میں ایسی باتیں بتائی جائیں جنہیں سابق تجربہ کے ماتحت نہیں بتایا جاسکتا۔ لیکن ان خوابوں میں ایسے مضامین کا بیان ہونا جن کو قبل از وقت دماغ کسی صورت میں بھی نہیں سوچ سکتا اور پھر ان کا اُسی طرح پورا ہو جانا اِس بات کی بیّن دلیل ہے کہ وہ خبر کسی ایسی ہستی کی طرف سے تھی جو عالمُ الغیب ہے۔

پھر میں نے انہیں اٹھائیس سَو ہوائی جہازوں والی خواب سنائی جس میں مجھے بتایا گیا تھا کہ امریکن گورنمنٹ برطانیہ کو اٹھائیس سو ہوائی جہاز دے گی اور اس وجہ سے برطانیہ شکست کھانے سے بچ جائے گا۔ سترہ یا اٹھارہ جون 1940ء کو مجھے خواب میں تار کے یہ الفاظ دکھائے گئے کہ امریکہ سے برطانوی نمائندہ نے یہ تار دی ہے کہ:۔

The American Government has delivered 2800 aeroplanes to the British government.

یعنی امریکن گورنمنٹ نے اٹھائیس سو جہاز برطانوی گورنمنٹ کو دیے ہیں۔ دو ماہ بعد بعینہٖ یہی الفاظ برطانوی نمائندہ نے امریکہ سے حکومتِ انگلستان کو بذریعہ تار بھجوائے۔ جس کے الفاظ اس قسم کے تھے کہ:۔

The British representative from America wires that the American Government has delivered 2800 aeroplanes to the British Government.

کہ برطانوی نمائندہ نے بذریعہ تار امریکہ سے اطلاع دی ہے کہ امریکن گورنمنٹ نے گورنمنٹ برطانیہ کو اٹھائیس سو ہوائی جہاز دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اِس خواب کو مزید پختہ کرنے کے سامان یہ پیدا کر دیئے کہ میں نے یہ رؤیا چودھری ظفر اللہ خان صاحب کو سنا دیا۔ اور انہوں نے کئی برطانوی نمائندوں اور گورنمنٹ کے دوسرے ہندوستانی معزز افسروں میں اِس کا ذکر کر دیا۔ سر کلّو جو آجکل آسام کے گورنر ہیں اور اُس وقت ریلوے بورڈ کے ممبر تھے۔ چودھری صاحب نے ان سے بھی اِس خواب کا ذکر کیا ہوا تھا۔ جب یہ خواب پورا ہوا تو چودھری صاحب نے سر کلو کو فون کیا اور کہا کہ

دیکھئے ہمارے امام کا رؤیا پورا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خواب کو مزید پختہ کرنے کے لئے سر کلو کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ انہوں نے تار دیکھتے ہوئے بجائے اٹھائیس سو پڑھنے کے پچیس سو پڑھا تھا۔ چودھری صاحب کے فون کے جواب میں انہوں نے کہا بات تو ٹھیک ہے کہ امریکن گورنمنٹ نے برطانیہ کو کچھ ہوائی جہاز دیئے ہیں مگر آپ کے امام کی بتائی ہوئی تعداد غلط نکلی۔ آپ نے مجھے بتایا تھا کہ انہوں نے خواب میں اٹھائیس سو ہوائی جہاز دیکھا تھا اور امریکہ نے پچیس سو ہوائی جہاز دیئے ہیں۔ چودھری صاحب نے کہا کہ آپ اُس تار کو اٹھا کر ذرا غور سے پڑھیں۔ جب انہوں نے دوبارہ پڑھا تو انہیں اپنی غلطی معلوم ہو گئی۔ اور بے اختیار ہو کر بول اٹھے کہ اوہو! یہاں تو واقع میں اٹھائیس سو ہوائی جہاز کی ڈلیوری (Delivery) کا ذکر ہے۔

اِس رؤیا کو سن کر اس سکھ نوجوان نے تسلیم کیا کہ اگر دو ہزار یا اڑھائی ہزار یا تین ہزار تعداد ہوتی تو کہہ سکتے تھے کہ اندازہ کیا گیا لیکن اٹھائیس سو ہوائی جہازوں کی تعداد بیان کرنا اور پھر دو مہینے کے بعد اس کا پورا ہو جانا بتاتا ہے کہ یہ غیر معمولی بات ہے۔ اور میں اس پر غور کروں گا۔

آخر میں مَیں نے کہا میں وہ باتیں پیش نہیں کرتا جو آئی گئی ہو گئی ہیں اور قصے کہانیاں ہو گئی ہیں۔ میں آپ کے سامنے حضرت رام چندر کے معجزات بیان نہیں کرتا، میں آپ کے سامنے حضرت کرشنؑ کے معجزات بیان نہیں کرتا، میں آپ کے سامنے حضرت موسیٰؑ کے معجزات پیش نہیں کرتا، میں آپ کے سامنے حضرت عیسیٰؑ کے معجزات پیش نہیں کرتا کیونکہ وہ تمام معجزات آپ کے نزدیک قصے کہانیاں بن گئے ہیں۔ آپ مجھے یہ بتائیں کہ کیا ہماری موجودہ پوزیشن ایسی ہے کہ ہم دنیا کو شکست دے دیں اور سب پر غالب آجائیں؟ اس نوجوان نے کہا نہیں۔ میں نے کہا آپ دیکھ رہے ہیں دنیا پر آج کمیونزم (Communism) کا غلبہ ہے اور اسے بہت بڑی قوت حاصل ہے اور اس کے مقابل میں ہماری کوئی بھی حیثیت نہیں۔ اور یہ ایک مسلّمہ قاعدہ ہے کہ طاقتور اور کثرت والی قومیں ہمیشہ جیتا کرتی ہیں۔ لیکن اگر چالیس یا پچاس سال یا سو سال تک یا اِس سے بھی کچھ زیادہ عرصہ ہی میں ہم دنیا پر غالب آجائیں تو یہ

اللہ تعالیٰ کی ہستی کا زندہ ثبوت ہو گا یا نہیں؟ جب میں نے یہ بیان کیا تو کہنے لگے۔ ہاں خدا کی ہستی کا ثبوت ہو گا۔ لیکن ساتھ ہی کہنے لگے بعض دفعہ ایک سکیم فیل بھی ہو جاتی ہے۔ میں نے کہا یہاں سوال سکیم کے فیل ہونے کا نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کمیونزم یا دہریت فیل ہو جائے گی۔ میں یہ کہتا ہوں کہ وہ تحریکیں فیل ہو جائیں گی اور ان کی جگہ ہم لے لیں گے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ کمیونزم یا سوشلزم (Socialism) کو جو طاقت حاصل ہے کیا اِس کا مقابلہ ہماری جماعت موجودہ حالت میں کر سکتی ہے؟ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ ایک جماعت جو نہایت ہی ادنیٰ حالت میں ہو اور جس کی تعداد بہت قلیل ہو اور وہ بے سروسامان ہو، اس کے مقابل پر ساری دنیا ہو اور وہ ہو بھی جھوٹی اور صداقت اُس کے پاس نہ ہو اور پھر بھی وہ جیت جائے اور تمام دنیا ہار جائے؟ سوائے انبیاء کی جماعتوں کے آپ کو یہ بات کسی اَور جماعت میں نظر نہیں آئے گی۔ اگر دو برابر کی طاقتیں ہوں تو اُن میں تو سکیم کے فیل ہونے کی وجہ بتائی جا سکتی ہے۔ لیکن جن جماعتوں کی طاقتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہو اُن میں کمزور جماعت فتح حاصل کر لے تو یہ کہنا کہ دوسری سکیم فیل ہو گئی ہے کوئی معنے نہیں رکھتا۔ مثلاً اگر جرمنی انگلستان سے ہار جائے یا روس امریکہ سے ہار جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہارنے والے ملک کی سکیم فیل ہو گئی ہے۔ لیکن کُجا ہماری حالت اور کُجا ان جماعتوں کی حالت جو کہ کمیونزم یا سوشلزم کی حامی ہیں۔ اِس پر اس نوجوان نے تسلیم کیا کہ واقع میں اگر ایسا ہو جاے تو یہ بات ایسی ہو گی جو معجزہ کہلا سکتی ہے اور جس کے بعد تسلیم کرنا پڑے گا کہ اِس دنیا کا کوئی خدا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان سوائے کلامِ الٰہی کے ہو ہی نہیں سکتا۔ خالی دلائل اور ڈھکوسلے انسان کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ فلسفہ اور سائنس کے علوم کی اتنی کثرت ہو گئی ہے کہ مذہب کی دھجیاں اڑا دی گئی ہیں اور فلسفہ اور سائنس کے ذریعہ نہایت گندے گندے اعتراضات اسلام اور بانیٔ اسلام پر کئے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک کے بعض ادیب لکھا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے فضائے آسمانی میں اپنے حریف کے دلائل کی دھجیاں اُڑا دیں۔ لیکن میں کہتا ہوں۔ مذہب کی تو آج فضائے آسمانی میں دھجیاں بھی نظر نہیں آتیں۔ درحقیقت جن گنتی کے افراد کے متعلق یہ نظر آتا ہے کہ وہ مذہب کے لئے قربانیاں کرتے ہیں، مذہب کے لئے

جد وجہد کرتے ہیں، یا مذہب کے لئے جانیں دینے کو تیار ہو جاتے ہیں اُن کی قربانیاں بھی ظاہری ہیں۔ ایمان سے ان کو دور کا تعلق بھی نہیں۔ اگر کوئی شخص پرائیویٹ طور پر ان سے ملے تو وہ یقیناً محسوس کرے گا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت ان کے دلوں میں ذرہ بھر بھی نہیں۔ ایسے حالات میں مَیں سمجھتا ہوں کہ ہماری جماعت کو اپنی ذمہ داریوں کی طرف بہت زیادہ توجہ کرنی چاہیے اور قربانیوں میں پہلے کی نسبت بہت زیادہ ترقی کرنی چاہیے۔

ہماری جماعت کا ہر شخص جو دین کے لئے قربانی نہیں کرتا اور پوری طرح جد وجہد سے کام نہیں لیتا، دشمن کے مقابلہ کے لئے تیاری نہیں کرتا اور سستی سے کام لیتا ہے اُس کا اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان نہیں۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ جو وعدے کرتا ہے وہ آپ ہی آپ پورے نہیں ہو جایا کرتے۔ بلکہ بندوں کی ہمت اور قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ قصہ مشہور ہے کہ ایک بزرگ کے پاس کوئی شخص آیا اور کہا کہ میرے ہاں اولاد نہیں ہوتی آپ دعا کریں۔ انہوں نے کہا بہت اچھا میں دعا کروں گا۔ اس کے بعد وہ اُٹھ کر چل پڑا۔ مگر جس طرف سے آیا تھا اُس طرف نہ گیا بلکہ دوسری طرف چل پڑا۔ اُس بزرگ نے بلا کر پوچھا۔ میاں اُدھر کیوں جارہے ہو گھر کیوں نہیں جاتے؟ اُس نے کہا کہ میں فوج میں ملازم ہوں، چُھٹی پر آیا تھا اور اب واپس فوج میں جارہا ہوں۔ اُس بزرگ نے کہا اگر تم فوج میں جارہے ہو تو پھر میری دعا سے کچھ نہیں بنے گا۔ میری دعا تو تبھی قبول ہو سکتی تھی جب تم گھر کو جاتے۔ تو یہ خدائی قانون ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے قانون کی پابندی کرتا ہے اور اس کے اکثر وعدوں کے پورا کرنے کے لئے انسانی جد وجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یہ نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کنعان کے لوگوں کو رسیوں میں باندھ کر موسیٰ کے ساتھیوں کے سپرد کر دیا ہو۔ بلکہ یہی حکم ہوا کہ اپنی قوم کو لے کر جنگلوں کی طرف چلے جاؤ تا کہ ان میں جفاکشی اور بہادری کا مادہ پیدا ہو۔ وہ ایک لمبے عرصہ تک جنگلوں میں تکالیف برداشت کرتے اور تنگی کی حالت میں دن بسر کرتے رہے۔ وہ شہری لوگ تھے، آرام و آسائش کے عادی تھے، ان کو کھانا نہیں ملتا تھا، پیاس کی تکلیف ستاتی تھی۔ شہروں کے رہنے والے یہ تکالیف کہاں برداشت کر سکتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

ان کو رعمسیس 2 جیسے شہر سے نکال کر لائے تھے۔ ان شہری لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی فتوحات کا وعدہ یاد دلاتے اور ان کی کمرِ ہمت کو مضبوط کرتے۔ جب وہ بھوکے رہتے رہتے کمزور ہو گئے، پیاسے رہتے رہتے نڈھال ہو گئے اور گھر سے بے گھر آوارہ جنگلوں میں پھرتے پھرتے تنگ آ گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھنے لگے کہ فتح کا دن کب آئے گا اور ہمیں کب چین اور آرام نصیب ہو گا؟ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ جرار فوج جو تمہارے سامنے کھڑی ہے اسے مار لو تو فتح تمہاری ہے۔ اِس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا عجیب بات ہے۔ دس پندرہ سال تک تُو ہمیں جنگلوں میں مارے مارے لے کر پھرتا رہا اور اب کہتا ہے یہ فوج کھڑی ہے اسے مار لو تو فتح تمہاری ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کدھر گیا ہے کہ تم اس زمین کے وارث ہو گے۔ اور تُو ہمیں بجائے اپنے ملک کے دوسرے ملک میں لے آیا ہے۔ ہم گھر سے بے گھر ہو گئے ہیں، ہم نے بے شمار تکالیف برداشت کی ہیں اور اب تُو ہمیں یہ کہتا ہے کہ جاؤ دشمن کو مار لو اور ملک تمہارا ہے۔ اِن خیالات کی وجہ سے وہ اِس قدر جوش میں آ گئے کہ موسیٰؑ کو مخاطب کر کے بول اٹھے اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ 3 اے موسیٰؑ! کیا تُو ہم سے تمسخر کرتا ہے کہ اِس قوم پر فتح حاصل کر لو تو یہ زمین تمہاری ہے؟ اگر ہم نے ہی سب کچھ کرنا تھا تو خدا تعالیٰ کے وعدے دینے کی کیا ضرورت تھی۔ اب جا تُو اور تیرا خدا لڑتے پھرو ہم تو یہ بیٹھے ہیں۔ ہم نے جنگ کر کے دشمن سے ملک فتح کرنے کی نیت سے وطن نہ چھوڑا تھا ہم تو ان وعدوں کے دھوکے میں آ گئے جو ہمیں دیئے گئے تھے۔

در حقیقت وہ ایک شدید غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو پورا کرنے کے لئے بندوں کو کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہم تکلیفیں اٹھاتے ہوئے کنعان کے دروازہ تک پہنچ گئے ہیں اب اللہ تعالیٰ کو چاہیے کہ وہ پہلے لوگوں کو مار دے اور ہمیں اس زمین کا وارث کر دے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کا تو یہ مطلب تھا کہ جس قوم سے اُن کا مقابلہ تھا وہ اپنے پاس ظاہری ساز و سامان بہت زیادہ رکھتی تھی اور اس کے پاس فتح حاصل کرنے کے تمام قسم کے سامان موجود تھے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی بالکل

بے سر و سامان تھے اور ان کے پاس ظاہر کوئی چیز ایسی نہ تھی جو فتح کو قریب لانے والی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا عمالقہ کی قوم پر فتح حاصل کرنا ایسا ہی تھا جیسے چوہا بلی کو مارے۔ عمالقہ قوم کی شام و کنعان پر حکومت تھی اور وہ بہت زیادہ قوت و شوکت رکھتی تھی اور نہایت جابر قوم تھی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی اینٹیں پاتھنے والے غلامی کی زندگی بسر کرنے والے اور سیاست سے بالکل جاہل اور ناواقف تھے۔ باوجود اِس کے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ جاہل اور ناواقف اور غلامی کی زندگی بسر کرنے والی قوم کو اُس کے دشمنوں پر غالب کر دے گا اور عمالقہ کی زمین کا وارث کر دے گا۔ اور یہ سینکڑوں سال تک غلام رہنے والی قوم جس نے کبھی تلوار نہیں چلائی تھی اور غلامی کی زنجیروں میں مقیّد تھی قومِ عمالقہ پر جو تلوار کی دھنی تھی اور ہر قسم کے ساز و سامان اس کے پاس موجود تھے غالب آجائے گی۔ مگر یہود نے ناواقفی سے یہ سمجھا کہ بغیر لڑائی کے فتح حاصل ہونے کا وعدہ ہے۔ اور انکار کر کے تباہ ہو گئے اور مُلک اگلی نسل نے جا کر فتح کیا جو اس غلطی کو سمجھ گئی۔ پس خدا تعالیٰ کا ہاتھ عمالقہ کو مارنے میں ظاہر نہیں ہوا بلکہ کمزور قوم کو غالب قوم پر فتح دینے میں ظاہر ہوا۔

آج بھی اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو پورا کرنے کے لئے کوشش نہیں کرتا اور یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے خود بخود بغیر ہماری کوششوں کے پورے ہو جائیں گے تو وہ بھی اپنے عمل سے یہی کہتا ہے کہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ کہ جا تُو اور تیرا رب جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ جو کچھ موسیٰؑ کے وقت میں ہوا وہی کچھ ہر نبی کے زمانہ میں ہوا ہے۔ ہندوؤں میں حضرت کرشنؑ کو جو لڑائی لڑنی پڑی وہ خود کرشن جی، ارجن جی، پانڈوؤں اور ان کے ساتھیوں نے لڑی۔ یہ نہیں ہوا کہ بجائے ان کے لڑنے کے فرشتے آسمان سے نازل ہوئے ہوں۔ اس خطرناک لڑائی کی وجہ یہ تھی کہ کوروں نے حق کو چھوڑ دیا۔ اور کج روی اختیار کی۔ لیکن جب دونوں فریق صف آراء ہوئے تو دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اور خود پانڈو جن کے حق کے لئے یہ لڑائی لڑی جا رہی تھی جی چھوڑ رہے تھے۔ اس پر ارجن جی نے کرشنؑ سے کہا کہ لڑائی کیسے لڑیں پانڈو خود لڑائی کے لئے تیار نہیں اور دشمن بہت زیادہ تعداد میں ہے جس کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔ بہتر ہے کہ لڑائی نہ کی جائے۔ لیکن کرشن جی نے کہا خواہ پانڈو

لڑنے کے لئے تیار نہ ہوں اور خواہ دشمن کتنا ہی زیادہ ہو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا اور ہم دشمن پر فتح حاصل کر لیں گے۔ آخر جنگ ہوئی اور اس میں کرشن جیؑ کو فتح نصیب ہوئی۔ باوجود اِس کے کہ کورو طاقت کے لحاظ سے ان سے بہت بڑھ کر تھے۔ کرشن جی کو اِس لئے فتح حاصل ہوئی کہ وہ راستی پر تھے اور ان کے دشمن جھوٹ کے حامی تھے۔ ایسے موقعوں پر لڑائی وہی جیتا کرتا ہے جو خدا تعالیٰ کا بندہ ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کے لئے غیر معمولی سامان پیدا کر دیتا ہے۔

ہر نبی کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کا یہی سلوک اس کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس کے ماننے والے اپنے دشمنوں پر غالب آتے ہیں۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ انبیاء کے ماننے والوں کو لڑائی بھی نہ لڑنی پڑے اور آسمان سے فرشتے اُتر کر اُن کے لئے فتح کے سامان پیدا کر دیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جماعت کو بھی قربانیوں کے بعد غلبہ عطا کیا گیا اور یہی حال ہماری جماعت کا ہے۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں سے بڑھ کر قربانیاں کرنی پڑیں گی۔ کیونکہ جن سے ہمارا مقابلہ ہے وہ بہت زیادہ تعداد، بہت زیادہ طاقت اور بہت زیادہ ذرائع رکھتے ہیں بہ نسبت حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمنوں کے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جماعت کا مقابلہ آٹھ دس لاکھ آدمیوں سے تھا لیکن ہماری جماعت کا مقابلہ چالیس کروڑ سے ہے۔ جس گورنمنٹ سے حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کا مقابلہ ہوا وہ اتنی طاقتور نہیں تھی جتنی طاقتور وہ حکومتیں ہیں جو ہمارے زمانہ میں ہیں۔ مقابلہ سے میرا یہ مطلب نہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری گورنمنٹ سے لڑے تھے بلکہ وہ حکومت کے ذریعہ دِق کئے جاتے۔ ورنہ وہ خود حکومت کے ساتھ ٹکر لینا نہیں چاہتے تھے۔ جس طرح مسیح ناصری علیہ السلام نے لڑائی نہیں کی اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی لڑائی نہیں کی۔ جس طرح حضرت مسیح ناصری علیہ السلام نے کہا کہ میں حکومت کا فرمانبردار ہوں اِسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں حکومت کا فرمانبردار ہوں۔

اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے نبی حکومت کے خواہاں نہیں ہوتے اور نہ ہی حکومت سے لڑائی کرنا پسند کرتے ہیں۔ لیکن حکومت ان کو باغی قرار دیتی ہے اور ان کو

نیست و نابود کرنے کے درپے ہو جاتی ہے۔ آج دنیا ہمیں حکومت کا خوشامدی خیال کرتی ہے لیکن حکومت کے افسر ہمیں باغی قرار دیتے ہیں۔ اور یہ ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت کی حکومت مخالفت نہ کرے۔ اور یہ ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ جماعت کو بغیر قربانیوں کے غلبہ حاصل ہو جائے۔ مثلاً عیسائیوں کو آج بڑی طاقت حاصل ہے مگر وہ طاقت اور وہ غلبہ جو عیسائیوں کو حاصل ہے بغیر قربانیوں کے حاصل نہیں ہوا۔ ایسا نہیں ہوا کہ عیسائی سوئے ہوئے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے لوگوں کی گردنوں میں رسیاں ڈال ڈال کر ان کے پاس لاتے ہوں اور ان کی جماعت میں داخل کرتے ہوں اور اس طرح ان کی جماعت ترقی کر گئی ہو۔ بلکہ عیسائیوں نے جانیں دیں اور سینکڑوں سال تک قربانیاں کرتے چلے گئے۔ تین سو سال تک عیسائیوں نے ایسی قربانیاں کی ہیں کہ اُن کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اٹلی میں مَیں نے وہ جگہ دیکھی ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جماعت کے افراد حکومت کے ظلموں سے بھاگ کر چُھپا کرتے تھے۔ وہ جگہ زمین سے اسّی فٹ گہری ہے۔ اور اتنی سڑاند اور بدبو آتی ہے کہ انسان کے لئے اُس کے اندر داخل ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور نمی اور تاریکی اس قدر ہے کہ اَلْاَمَان۔ چونکہ قرآن مجید میں ان مقامات کا ذکر ہے اس لحاظ سے میرے لئے بہت اہم تاریخی جگہ تھی اور میں نے اسے دیکھنا ضروری سمجھا۔ اس غار کے تین حصے انہوں نے بنائے ہوئے تھے۔ پہلا حصہ زمین سے پندرہ یا بیس فٹ نیچے تھا۔ جیسے چوہا یا چھچھوندر جگہ کھودتا ہے ایسے ہی انہوں نے زمین کھودی ہوئی تھی اور اس کے اندر کئی راستے بنائے ہوئے تھے۔ تاکہ اگر پولیس ان کو پکڑنے کے لئے آ بھی جائے تو اُس کو پتہ نہ لگ سکے کہ راستہ کدھر جارہاہے۔ راستے بالکل بھول بھلیاں کی طرح تھے۔ ایک اِس طرف جارہاہے اور دوسرا دوسری طرف۔ ایک ہی جگہ سے کئی راستے نکلتے تھے اور آگے جاکر بعض ان میں سے بند ہو جاتے تھے۔ اگر پولیس ان کو پکڑنے کے لئے آجاتی تو چونکہ مسیحیوں کو تو رستوں کا علم ہوتا تھا اِس لئے وہ بھاگ جاتے تھے۔ پھر اِس خیال سے کہ کسی وقت پولیس آہی پکڑے انہوں نے اوپر کی منزل کے نیچے ایک دوسری منزل بنائی ہوئی تھی جب اوپر کی منزل میں پناہ نہ مل سکتی تھی تو وہ دوسری منزل میں چلے جاتے تھے۔ اس منزل تک جانے کے لئے پکی سیڑھیاں نہ ہوتی تھیں

بلکہ لکڑی کی سیڑھیاں ہوتی تھیں جنہیں وہ دوسری منزل میں اُتر کر ہٹا لیتے تھے۔ تا کہ پولیس انہیں استعمال کر کے پکڑ نہ لے اور تعاقب میں دیر لگ جائے۔ ان غاروں میں بعض دفعہ ان کو تین تین سال تک چُھپنا پڑتا تھا۔ اور اگر کبھی پولیس کو اُن کا سراغ مل جاتا اور وہ ان پر قابو پا لیتی تو ان کو قتل کر دیتی تھی۔ میں نے بعض کتبوں پر نہایت دردناک عبارتیں لکھی ہوئی دیکھی ہیں کہ یہ میری پیاری بیوی یا میری پیاری بیٹی یا میرے پیارے بیٹے یا میری پیاری بہن کی قبر ہے۔ فلاں سن میں ہم عبادت کر رہے تھے کہ پولیس نے آکر ان کو پکڑ لیا اور قتل کر دیا۔ ایک گرجے میں سات پادری عبادت کر رہے تھے پولیس آگئی۔ اور اُس نے آکر ان کو پکڑ لیا اور ساتوں کے ساتوں قتل کر دیئے گئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو سیدِ وُلدِ آدم ہیں اور تمام انبیاء کے سردار ہیں۔ آپؐ کو بھی بنی بنائی جماعت نہیں مل گئی کہ تیرہ سال تک کفارِ مکہ نے آپؐ کو سخت سے سخت تکلیفیں دیں۔ ایسی تکلیفیں کہ ان کا تصور کر کے بھی انسان کی روح کانپ جاتی ہے۔ تیرہ سال کی تکالیف برداشت کرنے کے بعد آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہجرت کی اور مدینہ چلے گئے۔ دشمن نے وہاں بھی آپؐ کا پیچھا نہ چھوڑا اور مدینہ پر چڑھائی کر کے وہاں سے بھی مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا چاہا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اجازت دی گئی کہ اب ان کا مقابلہ کیا جائے۔ اگر مقابلے کی اجازت نہ ہوتی تو مسلمانوں کا زندہ رہنا محال تھا۔ مسلمانوں نے کفار کا مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد ایسے فرشتوں سے کی جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَمْ تَرَوْهَا [4] کہ وہ نظر نہ آتے تھے۔ بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اور آپؐ کے صحابہؓ نے متواتر تیرہ سال تک تکالیف برداشت کیں۔ اور تیرہ سال کے بعد اللہ تعالیٰ کی اجازت کے ماتحت کفار کا مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح دی اور ان کو کفار کی روزانہ تکالیف سے ایک حد تک نجات مل گئی۔ اور کچھ عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی قربانیوں کی وجہ سے ان کو قیصر و کسریٰ کے تختوں کا وارث کر دیا۔ لیکن یہ نہیں ہوا کہ صحابہؓ گھروں میں آرام سے بیٹھ رہے ہوں کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ہم کو ہمارے دشمنوں پر فتح دے گا اس لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ خود بخود پورا ہو جائے گا۔

بلکہ انہوں نے اپنے اعمال سے ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو پورا کرنے کے لئے انسان کو ہر قسم کی قربانی بے دریغ کرنی چاہیے۔ خواہ وہ جانی ہو یا مالی ہو۔ پس اللہ تعالیٰ جو وعدہ کرتا ہے بندوں کا فرض ہوتا ہے کہ اس کے پورا کرنے کے لئے اپنی پوری کوشش کریں۔

ہمارے زمانہ میں دہریت کا فتنہ اِس قدر بڑھ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا سرے سے ہی انکار کر دیا گیا ہے۔ دنیا کے نزدیک آج خدا تعالیٰ کسی ہستی کا نام نہیں۔ ہمارا اذان میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا دنیا کے لئے ایک بے معنی چیز ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے وجود کا ہی سرے سے انکار پایا جاتا ہے۔ تو یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ خدا ایک ہے۔ یا دو ہیں یا تین ہیں پہلے اللہ تعالیٰ کے وجود کو منوانے کا سوال ہے۔ اس کے بعد لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا مقام ہے۔ ان تاریکی اور ظلمت کے دنوں میں ہماری جماعت کو سوچنا چاہیے کہ اسے کس قدر قربانیوں کی ضرورت ہے۔ اگر ہم میں سے ہر انسان سر سے پیر تک اپنے تمام اعضاء اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کرنے میں نہیں لگاتا، اگر ہم میں سے ہر فرد اپنا دن اور رات خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لئے صرف نہیں کرتا تو ہم بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی طرح ہیں۔ جنہوں نے یہ کہا تھا اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے منہ سے یہ کہہ دیا تھا اس لئے ہم ان کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اپنے اعمال سے یہی ثابت کرنے والے ہوں تو ہم میں اور ان میں کیا فرق ہو سکتا ہے۔ آج جس شخص کے دل میں سُستی اور غفلت پیدا ہوتی ہے اور قربانی کرنے سے جی چُراتا ہے وہ یقیناً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے ہے گو وہ منہ سے نہ کہے۔ پہلی قوموں کے منہ سے جو بُرے الفاظ نکل جاتے ہیں آئندہ قومیں ان لفظوں سے احتراز کرتی ہیں۔ لیکن اپنے اعمال کی طرف نہیں دیکھتیں کہ کیا ہم اپنے اعمال سے تو ان ہی الفاظ کو نہیں دہرا رہے۔

کہتے ہیں کہ جرمنی کا بادشاہ فریڈرک سخت تند مزاج تھا۔ اسے ایک گھوڑا بہت پیارا تھا۔ ایک دفعہ وہ گھوڑا بیمار ہو گیا۔ بادشاہ نے نوکروں کو حکم دیا کہ اس کا پوری طرح خیال رکھیں۔ اور ڈاکٹروں کو حکم دیا کہ پوری توجہ سے اس کا علاج کریں اور ہر دس منٹ کے بعد اسے گھوڑے کی حالت کے متعلق اطلاع ملتی رہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ جس نے گھوڑے

کے مرنے کی خبر دی میں اُسے مار ڈالوں گا۔ اور اگر کسی نے بھی اطلاع نہ دی تو سب کو مروا ڈالوں گا۔ ڈاکٹر اور نوکر سب اِس حکم سے گھبرا گئے اور گھوڑے کا علاج پوری محنت سے کرتے رہے لیکن آخر گھوڑا مر گیا۔ جب گھوڑا مر گیا تو سب گھبرائے کہ اب کون گھوڑے کی موت کی خبر بادشاہ کو دینے جائے۔ جو جائے گا اُس کی جان کی خیر نہیں۔ اور اگر کوئی بھی نہ جائے تو سب مارے جائیں گے۔ وہ ایک دوسرے کو آمادہ کرتے لیکن کوئی تیار نہ ہوتا۔ آخر بہت سوچ بچار کے بعد اطلاع پہنچانے کے لئے انہوں نے بادشاہ کے ایک منہ چڑھے نوکر کو چُنا۔ پہلے تو اس نے لیت و لعل کیا لیکن آخر تمام نوکروں کے سمجھانے پر وہ مان گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عقلمند بھی تھا۔ جب وہ بادشاہ کے پاس اطلاع لے کر گیا تو بادشاہ نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔ اتنی دیر کیوں لگائی ہے؟ کہو گھوڑے کے متعلق کیا خبر لائے ہو؟ اُس نے کہا حضور بالکل آرام ہے۔ بادشاہ نے پھر پوچھا۔ کیا واقع میں آرام میں ہے؟ اس نے کہا۔ حضور گھوڑا بالکل آرام سے زمین پر لیٹا ہوا ہے اُسے بالکل درد نہیں، نہ وہ چیخیں مارتا ہے نہ دُم ہلاتا ہے، نہ کان ہلاتا ہے، نہ اُس کا پیٹ ہلتا ہے۔ آنکھیں بھی بند ہیں اور بالکل آرام سے لیٹا ہوا ہے کوئی حرکت نہیں کرتا۔ بادشاہ نے کہا اِس کا تو یہ مطلب ہے کہ گھوڑا مر گیا ہے۔ اس نے کہا حضور ہی کہتے ہیں میں تو نہیں کہتا۔

تو الفاظ بدل لینے سے کیا بنتا ہے۔ منہ سے بے شک نہ کہا۔ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔ لیکن جس نے اپنے عمل سے ایسا ہی نمونہ دکھایا تو وہ منہ سے کہنے والے سے کم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر ہیں۔ ہم کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وہ ساتھی بڑے گندے تھے جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا کہ جا تُو اور تیرا رب جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ لیکن اگر ہم اپنے اعمال سے وہی ثابت کرتے ہیں جو انہوں نے منہ سے کہا تھا تو وہ گالیاں ان کو نہیں لگتیں ہم کو لگتی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ دلوں کی حالت کو دیکھتا ہے اور ارادوں اور نیتوں سے خوب واقف ہے۔ اگر ایک شخص اسلام کے لئے اپنی زبان بھی نہیں ہلاتا اور آرام سے گھر میں لیٹا رہتا ہے اور دل میں خوش ہوتا ہے کہ اسے قربانی نہیں کرنی پڑتی۔ بے شک اسلام کو ضعف پر ضعف پہنچے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت خطرہ میں ہو لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو

گالیاں دیتا چلا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے غداری کی تو یہ گالیاں ان کے لئے نہیں بلکہ اس کے اپنے لئے ہیں۔ آج دشمن اسلام کے مقابلہ میں اپنی جانیں اور اپنا مال صَرف کر کے اسلام کے خلاف کالجوں کے ذریعہ، ہسپتالوں کے ذریعہ، انجمنوں اور سوسائیٹیوں کے ذریعہ، سیاسی نمائندوں کے ذریعہ پروپیگنڈا(Propaganda) کر رہا ہے۔ اگر اس حالت میں ایک مسلمان اپنے گھر میں لیٹا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو بُرا بھلا کہتا چلا جائے تو یہ اُس کی حد درجے کی حماقت ہو گی۔ اُسے سوچنا چاہیے کہ کیا اُس نے اسلام کی خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈالی ہے؟ کیا اُس نے اسلام کے لئے اپنی جان کو اُسی طرح ہلاکت میں ڈالا جس طرح وہ دنیا کے لئے ڈالتا ہے؟ کیا وہ اسلام کی اشاعت کے لئے ہر قربانی کرنے کے لئے تیار ہے اور کر رہا ہے؟ جس آدمی کا نفس ان سوالوں کا جواب ہاں میں دے اُسے اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھنا چاہیے۔ ورنہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ منہ سے نہ کہنا اور عمل سے اِس کا ثبوت دینا یہ دونوں برابر ہیں۔

ہماری جماعت کو غور کرنا چاہیے کہ ان کے اعمال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کے قول کے مصداق تو نہیں۔ ہر وہ شخص جو ایمان میں کمزوری دکھاتا ہے اور اپنا دن رات اسلام کے پھیلانے کے لئے وقف نہیں کرتا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم کی اشاعت کا اسے احساس نہیں ہے۔ قربانی کے نام سے اُس کا دل دھڑکنے لگتا ہے، چندہ دیتے ہوئے اُس کے ہاتھ کانپتے ہیں اور دل میں انقباض پیدا ہوتا ہے، اگر وقفِ زندگی کا مطالبہ ہو تو خوف سے کانپنے لگتا ہے۔ یا وہ لوگ جن کی اولاد وقف کے قابل ہے لیکن وہ ان کو وقف کی تحریک نہیں کرتے یا اگر لڑکا زندگی وقف کرتا ہے تو مائیں اور بہنیں رونا شروع کر دیتی ہیں اور باپ کہتا ہے کہ کیا میں نے تجھے اِسی دن کے لئے پڑھایا تھا کہ زندگی وقف کر دے۔ ایسے انسانوں کا کوئی حق نہیں کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کے متعلق کہیں کہ وہ نافرمان اور غدار تھے۔ بلکہ چاہیے کہ اپنے آپ کو بھی انہی میں سے شمار کریں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی جماعتوں کا کام اتنا مشکل نہ تھا جتنا ہمارا کام ہے۔ اُس وقت صرف یہ سوال تھا کہ تخت پر خدا تعالیٰ کو بٹھایا جائے یا فرعون کو۔ لیکن آج تو خدا تعالیٰ کے وجود کا ہی

سرے سے انکار کیا جارہا ہے۔ اور بجائے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ثابت کرنے کے اور بجائے اللہ تعالیٰ کی طاقتوں کو ثابت کرنے کے ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات کو دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے کہ وہ موجود ہے۔ کیونکہ دنیا اُس کی ذات کا انکار کر رہی ہے اور ایسے حالات میں اُس کی صفات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس میں کون کونسی طاقت ہے اور کونسی نہیں۔ اب صرف خدا تعالیٰ کو تخت پر بٹھانے کا سوال نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی روحانی پیدائش کا سوال ہے کہ خدا تعالیٰ کا وجود ایسے طور پر ظاہر ہو کہ دنیا اس کا انکار نہ کر سکے۔ اِس وقت سوال یہ نہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو کس طرح دنیا میں قائم کیا جائے بلکہ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو کس طرح منوایا جائے۔ جیسی ظلمت اور جیسی ضلالت ہمارے زمانہ میں ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار ہمارے زمانہ میں کیا جارہا ہے اِس کی نظیر پہلے وقتوں میں نہیں ملتی۔ ہماری جماعت کو بھی اس کے مقابل پر ایسی شاندار قربانیاں کرنی چاہئیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا فضل مل کر اعلیٰ نتائج پیدا کرے اور وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں اور اللہ تعالیٰ کے وجود کو دنیا سے منوا دیں اور اس کی حکومت دنیا پر قائم کر دیں۔ گو اللہ تعالیٰ کی حکومت زمین پر بھی ویسی ہی ہے جیسی آسمان پر ہے اور تمام دنیا اس کے قانونِ قدرت کے ماتحت چل رہی ہے۔ اگر دہریہ یا دوسرے لوگ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید یا اس کی عبادت نہیں کرتے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی حکومت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر ایک لحاظ سے اس میں تبدیلی کی ضرورت ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت لوگوں کے دلوں میں قائم ہو جائے۔

جب بادشاہوں کو تخت پر بٹھانے کی رسم ادا کی جاتی ہے تو ملک کے بڑے بڑے آدمی بلائے جاتے ہیں۔ انگلستان کے بادشاہ کو آرچ بشپ آف کنٹر بری (Archbishop of Canterbury) تخت پر بٹھاتا ہے۔ اور اگر اسلامی ممالک میں یہ رسم ادا کرنی ہو تو شیخ الاسلام اس رسم کو پورا کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تخت نشینی کی رسم میں اُنہی کو شامل کیا جائے گا جو اُس کے حضور معزز ہوں گے اور جو اِس قابل ہوں گے کہ وہ اس رسم میں شامل ہوں۔ جنہوں نے اس کی تخت نشینی کے دن کے لئے ہر چیز قربان کر دی اور اس کی راہ میں دیوانہ وار تکالیف کو برداشت کرتے چلے گئے یہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنی تخت نشینی کے موقع پر

شریک کرلے گا۔ لیکن وہ جنہوں نے کہا اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ کبھی پسند نہیں کرے گا کہ ایسے ناپاک لوگ اس کی تخت نشینی میں شامل ہوں اور ان کے ناپاک ہاتھ اس کے سر پر تاج رکھیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا دُور کرو اِن ناپاک ہاتھوں کو میں ان کے ذریعے اپنی تخت نشینی نہیں چاہتا۔ تمہارے دل میں میری کوئی وقعت نہیں تھی۔ پس اللہ تعالیٰ اپنی تخت نشینی اس شخص کے ہاتھ سے کرائے گا جو آج اسلام کا شیخ الاسلام ہے، جس کے دل میں اسلام کا درد ہے اور جو دن اور رات اس فکر میں رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت جلد دنیامیں قائم ہو۔

جب موجودہ بادشاہ کے والد کی تاج پوشی کی رسم دہلی میں ادا کی گئی۔ تو میں اُس وقت بچہ ہی تھا۔ جب بادشاہ دربار میں آیا تو ایک بہت بڑا رئیس تھا جسے بادشاہ کی آمد کا اعلان کرنے پر مقرر کیا گیا تھا۔ وہ بگل کبھی اِدھر منہ کر کے بجاتا اور کبھی دوسری طرف۔ اور جب وہ صاحب اِس طرح بادشاہ کی آمد کا اعلان کرتے تھے تو دوسرے رؤساء اُن پر رشک کرتے تھے کہ کتنا عزت کا کام اِن کے سپرد کیا گیا ہے۔ حالانکہ عام حالات میں بگل بجانا کوئی عزت کی چیز نہیں سمجھی جاتی۔ لیکن بادشاہ کی تخت نشینی پر ٹرمپیٹر (Trumpeter) ہونا بڑی عزت کی چیز سمجھا جاتا ہے۔ اگر دنیا کے بادشاہوں کے ٹرمپیٹر کی یہ عزت ہوتی ہے تو خداتعالیٰ کی بادشاہت کا ٹرمپیٹر ہونا کتنا عزت کا مقام ہے۔ مگر ہر شخص اس کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ یہ اعزاز بھی انہی لوگوں کے سپرد ہو گا جو اپنے آپ کو اس کا مستحق ثابت کریں گے اور اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو اسلام اور احمدیت کے لئے فنا کر دیں گے۔ پس پہلے استحقاق پیدا کرو تا اللہ تعالیٰ یہ کام تمہارے سپرد کر دے۔

غرض ہماری جماعت کو اپنے اندر ایسا تغیر پیدا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی تخت نشینی کا ٹرمپیٹر مقرر کر دے۔ آج اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام یا آرچ بشپ کا عہدہ اُسی کو دے گا جس کے متعلق وہ یہ سمجھے گا کہ یہ میرا دیوانہ عاشق ہے۔ اور اپنی تخت نشینی کے وقت ٹرمپیٹر کا عہدہ اُنہی لوگوں کے سپرد کرے گا جو اِس وقت خداتعالیٰ کے لئے اپنے دل کی آواز تک کو دبا دیتے ہیں اور جن کی نسبت اللہ تعالیٰ قرار دے گا کہ وہ اس کی تخت نشینی کے اعلان

کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ خدا کرے کہ ہم بھی اُن لوگوں میں شامل ہوں جو دنیا میں اس کی تخت نشینی کی رسم ادا کرنے والے ہوں یا دنیا میں اس کی تخت نشینی کا اعلان کرنے والے ہوں۔ آمِیْنَ اَللّٰھُمَّ آمِیْنَ۔" (الفضل مورخہ 29 ستمبر 1945ء)

1: **ٹرمپیٹر** (Trumpeter) : منّاد

2: **رعمسیس:** قدیم مصر کا ایک شہر جس کی تعمیر میں بنی اسرائیل سے بیگار لی گئی۔ یہ ان دو شہروں میں سے ایک تھا جو فرعون نے غلہ جمع کرنے کے لئے تعمیر کرائے تھے۔ لیکن مقصد یہ بھی تھا کہ بنی اسرائیل بیگار سے تنگ آکر مصر سے نکل جائیں اور کسی آئندہ مصیبت کا سبب نہ بنیں۔ (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد نمبر 1 صفحہ 668 مطبوعہ لاہور 1987ء)

3: المائدۃ:25

4: التوبۃ: 40